كَلَّآ إِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِيَ ۝ وَقِيلَ مَنْ ۜ رَاقٍ ۝ وَظَنَّ أَنَّهُ الْفِرَاقُ ۝ وَالْتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ
إِلَىٰ رَبِّكَ يَوْمَئِذٍ الْمَسَاقُ ۝ سابقہ آیات میں قیامت کے حساب کتاب اور اہل جنت و دوزخ کا کچھ حال بیان فرمانے کے بعد اس آیت میں انسان کو متوجہ کیا گیا کہ اپنی موت کو نہ بھولے موت سے پہلے پہلے ایمان اور عمل صالح کی طرف آجائے تاکہ آخرت میں نجات ملے۔ آیت مذکورہ میں موت کا نقشہ اس طرح کھینچا گیا کہ غفلت شعار انسان بھول میں رہتا ہے یہاں تک کہ موت سر پر آکھڑی ہو اور روح ترقوہ یعنی گلے کی ہنسلی میں آپھنسے اور تیماردار لوگ دوا و علاج سے عاجز ہو کر جھاڑ پھونک کرنے والوں کو تلاش کرنے لگیں اور ایک پاؤں کی پنڈلی دوسری پر لپٹنے لگے تو یہ وقت اللہ کے پاس جانے کا آگیا۔ اب نہ توبہ قبول ہوتی ہے نہ کوئی عمل اسلئے عقلمند پر لازم ہے کہ اس وقت سے پہلے اصلاح کی فکر کرے وَالْتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ میں لفظ ساق کے مشہور معنے پاؤں کی پنڈلی کے ہیں اور پنڈلی کے ایک دوسرے پر لپٹنے کا یہ مفہوم بھی ہو سکتا ہے کہ اس وقت اضطراب اور بے چینی سے ایک پنڈلی دوسری پر مارتا ہے اور یہ معنے بھی ہو سکتے ہیں کہ اسوقت اگر ایک پاؤں دوسرے پر رکھا ہوا ہے اور اسکو حرکت دیکر ہٹانا چاہتا ہے تو وہ اسکی قدرت میں نہیں ہوتا (کما قال الشعبی و الحسن)

اور حضرت ابن عباس رضؓ نے فرمایا کہ یہاں دو ساقوں سے مراد دو عالم دنیا و آخرت کے ہیں اور مطلب آیت کا یہ ہے کہ اسوقت دنیا کا آخری دن اور آخرت کا پہلا دن جمع ہوا ہے اسلئے دوہری مصیبت میں گرفتار ہے دنیا سے جدائی کا غم اور آخرت کے معاملے کی فکر۔ واللہ اعلم

أَوْلَىٰ لَكَ فَأَوْلَىٰ ۝ ثُمَّ أَوْلَىٰ لَكَ فَأَوْلَىٰ، لفظ اَوْلیٰ وَیل کا مقلوب ہے۔ ویل کے معنے ہلاکت اور بربادی ہیں یہاں اس شخص کے لئے جس نے کفر و تکذیب ہی کو اپنا شعار بنائے رکھا اور دنیا کے مال و دولت میں مست رہا پھر اسی حال پر مرگیا اسکے لئے چار مرتبہ لفظ ہلاکت و بربادی استعمال کیا گیا کہ مرنیکے وقت پھر مرنے کے بعد قبر میں پھر حشر و نشر کے وقت پھر جہنم میں داخلے کے وقت یہ مصیبت و بربادی تیرا حصہ ہے۔

أَلَيْسَ ذَٰلِكَ بِقَادِرٍ عَلَىٰ أَنْ يُحْيِيَ الْمَوْتَىٰ، یعنی کیا وہ ذات حق جس کے قبضہ قدرت میں موت و حیات اور سارا جہان ہے کیا وہ اس پر قادر نہیں کہ مُردوں کو دوبارہ زندہ کردے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص سورۂ قیامہ کی اس آیت کی تلاوت کرے تو اُس کو یہ کلمات کہنا چاہیئے بلیٰ وانا علیٰ ذٰلک من الشٰھدین۔ یعنی بلاشبہ وہ اس پر قادر ہے اور میں بھی ان لوگوں میں داخل ہوں جو اس کی گواہی دیتے ہیں۔ اس حدیث میں یہی الفاظ سورۂ والتین کی آخری آیت أَلَيْسَ اللَّهُ بِأَحْكَمِ الْحَاكِمِينَ پڑھنے کے وقت بھی کہنے کی تعلیم دی گئی ہے اور اسی حدیث میں یہ بھی فرمایا کہ جو شخص سورۂ مرسلٰت کی اس آیت پر پہنچے فَبِأَيِّ حَدِيثٍ بَعْدَهُ يُؤْمِنُونَ تو اس کو آمنا باللہ کہنا چاہیئے۔

تمت سورۃ القیٰمۃ بحمد اللہ ۲۷ رجب ۱۳۹۱ھ

سورۃ الدھر

سُوْرَةُ الدَّهْرِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ إِحْدَى وَّثَلٰثُوْنَ اٰيَةً وَّفِيْهَا رُكُوْعَانِ

سورۂ دہر مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی اکتیس آیتیں ہیں اور دو رکوع

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

شروع اللہ کے نام سے جو بیحد مہربان نہایت رحم والا ہے

هَلْ أَتَىٰ عَلَى الْإِنْسَانِ حِينٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُورًا ①
کبھی گزرا ہے انسان پر ایک وقت زمانے میں کہ نہ تھا وہ کوئی چیز جو زبان پر آتی
إِنَّا خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ أَمْشَاجٍ ۖ نَّبْتَلِيهِ فَجَعَلْنَاهُ سَمِيعًا
ہم نے بنایا آدمی کو ایک دورنگی بوند سے ہم پلٹتے رہے اسکو پھر کردیا اسکو سننے
بَصِيرًا ② إِنَّا هَدَيْنَاهُ السَّبِيلَ إِمَّا شَاكِرًا وَّإِمَّا كَفُورًا ③ إِنَّا
والا دیکھنے والا ہم نے اسکو سجھائی راہ یا حق مانتا ہے اور یا ناشکری کرتا ہے ہم نے
أَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ سَلَاسِلَا وَأَغْلَالًا وَّسَعِيرًا ④ إِنَّ الْأَبْرَارَ يَشْرَبُونَ
تیار کر رکھی ہیں منکروں کے واسطے زنجیریں اور طوق اور آگ دہکتی البتہ نیک لوگ پیتے ہیں
مِنْ كَأْسٍ كَانَ مِزَاجُهَا كَافُورًا ⑤ عَيْنًا يَّشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللّٰهِ
پیالہ جس کی ملونی ہے کافور ایک چشمہ ہے جس سے پیتے ہیں بندے اللہ کے
يُفَجِّرُونَهَا تَفْجِيرًا ⑥ يُوفُونَ بِالنَّذْرِ وَيَخَافُونَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهُ
چلاتے ہیں وہ اس کی نالیاں پورا کرتے ہیں منت کو اور ڈرتے ہیں اس دن سے کہ اس کی برائی
مُسْتَطِيرًا ⑦ وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ مِسْكِينًا وَّيَتِيمًا
پھیل پڑنے کی اور کھلاتے ہیں کھانا اس کی محبت پر محتاج کو اور یتیم کو
وَّأَسِيرًا ⑧ إِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيدُ مِنْكُمْ جَزَاءً وَّ
اور قیدی کو ہم جو تم کو کھلاتے ہیں سو خالص اللہ کی خوشی چاہنے کو نہ تم سے ہم چاہیں بدلہ اور

لَا شُكُورًا ﴿٩﴾ إِنَّا نَخَافُ مِن رَّبِّنَا يَوْمًا عَبُوسًا قَمْطَرِيرًا ﴿١٠﴾ فَوَقٰىهُمُ

نہ چاہیں شکر گزاری ۔ ہم ڈرتے ہیں اپنے رب سے ایک دن اُداسی والے کی سختی سے ۔ پھر بچا لیا ان کو

اللّٰهُ شَرَّ ذٰلِكَ الْيَوْمِ وَلَقّٰىهُمْ نَضْرَةً وَّسُرُورًا ﴿١١﴾ وَجَزٰىهُم بِمَا صَبَرُوا

اللہ نے بُرائی سے اُس دن کی اور ملا دی ان کو تازگی اور خوش دلی ۔ اور بدلہ دیا ان کو ان کے صبر پر

جَنَّةً وَّحَرِيرًا ﴿١٢﴾ مُّتَّكِـِٔينَ فِيهَا عَلَى الْأَرَآئِكِ ۚ لَا يَرَوْنَ فِيهَا

باغ اور پوشاک ریشمی ۔ تکیہ لگائے بیٹھیں اُس میں تختوں کے اوپر ۔ نہیں دیکھتے وہاں

شَمْسًا وَّلَا زَمْهَرِيرًا ﴿١٣﴾ وَدَانِيَةً عَلَيْهِمْ ظِلٰلُهَا وَذُلِّلَتْ قُطُوفُهَا

دھوپ اور نہ ٹھٹھر ۔ اور جھک رہیں اُن پر اس کی چھائیں اور پست کر رکھے ہیں اسکے گچھے

تَذْلِيلًا ﴿١٤﴾ وَيُطَافُ عَلَيْهِم بِـَٔانِيَةٍ مِّن فِضَّةٍ وَّأَكْوَابٍ كَانَتْ

لٹکا کر ۔ اور لوگ لئے پھرتے ہیں ان کے پاس برتن چاندی کے اور آبخورے جو ہو رہے ہیں

قَوَارِيرَا۠ ﴿١٥﴾ قَوَارِيرَا۟ مِن فِضَّةٍ قَدَّرُوهَا تَقْدِيرًا ﴿١٦﴾ وَيُسْقَوْنَ

شیشے کے ۔ شیشے ہیں چاندی کے ناپ رکھا ہے اُن کا ناپ ۔ اور اُن کو وہاں

فِيهَا كَأْسًا كَانَ مِزَاجُهَا زَنجَبِيلًا ﴿١٧﴾ عَيْنًا فِيهَا تُسَمّٰى سَلْسَبِيلًا ﴿١٨﴾

پلاتے ہیں پیالے جس کی ملونی ہے سونٹھ ۔ ایک چشمہ ہے اس میں اسکا نام کہتے ہیں سلسبیل

وَيَطُوفُ عَلَيْهِمْ وِلْدٰنٌ مُّخَلَّدُونَ ۚ إِذَا رَأَيْتَهُمْ حَسِبْتَهُمْ

اور پھرتے ہیں انکے پاس لڑکے سدا رہنے والے ۔ جب تو ان کو دیکھے خیال کرے

لُؤْلُؤًا مَّنثُورًا ﴿١٩﴾ وَإِذَا رَأَيْتَ ثَمَّ رَأَيْتَ نَعِيمًا وَّمُلْكًا كَبِيرًا ﴿٢٠﴾

کہ موتی ہیں بکھرے ہوئے ۔ اور جب تو دیکھے وہاں تو دیکھے نعمت اور سلطنت بڑی

عٰلِيَهُمْ ثِيَابُ سُندُسٍ خُضْرٌ وَّإِسْتَبْرَقٌ ۖ وَحُلُّوا أَسَاوِرَ مِن

اُوپر کی پوشاک اُن کی کپڑے ہیں باریک ریشم کے سبز اور گاڑھے ۔ اور ان کو پہنائے جائیں گے کنگن

فِضَّةٍ ۚ وَسَقٰىهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُورًا ﴿٢١﴾ إِنَّ هٰذَا كَانَ لَكُمْ جَزَآءً

چاندی کے ۔ اور پلائے اُن کو اُن کا رب شراب جو پاک کرے دل کو ۔ یہ ہے تمہارا بدلہ اور

وَّكَانَ سَعْيُكُم مَّشْكُورًا ﴿٢٢﴾ إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْءَانَ تَنزِيلًا ﴿٢٣﴾ ع ۱۹

کمائی تمہاری ٹھکانے لگی ۔ ہم نے اُتارا تجھ پر قرآن سہج سہج اُتارنا

فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تُطِعْ مِنْهُمْ ءَاثِمًا أَوْ كَفُورًا ﴿٢٤﴾ وَاذْكُرِ اسْمَ

سو تو منتظر رہ اپنے رب کے حکم کا اور کہا مت مان اُن میں سے کسی گنہگار یا ناشکر کا ۔ اور لیتا رہ نام اپنے

رَبِّكَ بُكْرَةً وَّأَصِيلًا ﴿٢٥﴾ وَمِنَ الَّيْلِ فَاسْجُدْ لَهُ وَسَبِّحْهُ لَيْلًا طَوِيلًا ﴿٢٦﴾

رب کا صبح اور شام ۔ اور کسی وقت رات کو سجدہ کر اُس کو اور پاکی بول اسکی بڑی رات تک

إِنَّ هٰٓؤُلَآءِ يُحِبُّونَ الْعَاجِلَةَ وَيَذَرُونَ وَرَآءَهُمْ يَوْمًا ثَقِيلًا ﴿٢٧﴾

یہ لوگ چاہتے ہیں جلدی ملنے والے کو اور چھوڑ رکھا ہے اپنے پیچھے ایک بھاری دن کو

نَّحْنُ خَلَقْنٰهُمْ وَشَدَدْنَا أَسْرَهُمْ ۖ وَإِذَا شِئْنَا بَدَّلْنَا أَمْثٰلَهُمْ تَبْدِيلًا ﴿٢٨﴾

ہم نے اُن کو بنایا اور مضبوط کیا اُن کی جوڑ بندی کو اور جب ہم چاہیں بدل لائیں اُن جیسے لوگ بدل کر

إِنَّ هٰذِهِ تَذْكِرَةٌ ۖ فَمَن شَآءَ اتَّخَذَ إِلٰى رَبِّهِ سَبِيلًا ﴿٢٩﴾ وَمَا

یہ تو نصیحت ہے ۔ پھر جو کوئی چاہے کر رکھے اپنے رب تک راہ ۔ اور تم نہیں

تَشَآءُونَ إِلَّآ أَن يَشَآءَ اللّٰهُ ۚ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿٣٠﴾ يُدْخِلُ

چاہو گے مگر جو چاہے اللہ ۔ بیشک اللہ ہے سب کچھ جاننے والا، حکمتوں والا ۔ داخل کرے

ع ۲ مَن يَشَآءُ فِي رَحْمَتِهِ ۚ وَالظّٰلِمِينَ أَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ﴿٣١﴾

جس کو چاہے اپنی رحمت میں ۔ اور جو گنہگار ہیں تیار ہے ان کے واسطے عذاب دردناک

خلاصۂ تفسیر

بیشک انسان پر زمانے میں ایک ایسا وقت بھی آچکا ہے جس میں وہ کوئی چیز قابلِ تذکرہ نہ تھا (یعنی انسان نہ تھا بلکہ نطفہ تھا اور اس سے قبل غذا اور اس سے پہلے عناصر کا جزو تھا) ہم نے اس کو مخلوط نطفہ سے پیدا کیا (یعنی مرد اور عورت دونوں کے نطفے سے کیونکہ عورت کی منی بھی اندر ہی اندر عورت کے رحم میں گرتی ہے۔ پھر کبھی فمِ رحم سے خارج ہو کر ضائع ہو جاتی ہے اور کبھی اندر رہ جاتی ہے اور مخلوط کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ وہ اجزاء مختلفہ سے مرکب ہے چنانچہ ترکیب منی کی اجزاء مختلفہ سے ظاہر ہے غرض ہم نے اس کو ایسے نطفہ سے پیدا کیا) اس طور پر کہ ہم اس کو مکلف بنائیں تو (اسی واسطے) ہم نے اس کو سنتا دیکھتا (سمجھتا) بنایا (اور چونکہ محاورہ میں سمیع و بصیر استعمالاً مخصوص ہے عاقل کے ساتھ اسلئے عقل دینے کی جو کہ مدار ہے مکلف ہونے کا تصریح نہیں فرمائی گئی مگر مراد وہ بھی ہے۔ مطلب یہ کہ ہم نے ایسی ہیئات و صفات کے ساتھ پیدا کیا کہ اسمیں احکامِ شرعیہ کا مکلف بننے کی قابلیت ہو، اس کے بعد جب مکلف ہونے کا وقت آگیا تو) ہم نے اس کو (بھلائی برائی پر مطلع کر کے) رستہ بتلایا (یعنی احکام کا مخاطب بنایا پھر) یا تو وہ شکر گزار (اور مومن) ہو گیا یا ناشکر (اور کافر) ہو گیا (یعنی جس رستہ پر چلنے کو اس کو کہا تھا جو اس پر چلا وہ مومن ہو گیا جو بالکل نہ چلا کافر ہو گیا۔ آگے فریقین کی جزاء کا ذکر ہے کہ) ہم نے کافروں کے لئے زنجیریں اور طوق اور آتشِ سوزاں تیار کر رکھی ہے (اور) جو نیک (لوگ) ہیں وہ ایسے جامِ شراب سے (شرابیں) پیویں گے

جس میں کافور کی آمیزش ہوگی یعنی ایسے چشمے سے (پیویں گے) جس سے خدا کے خاص بندے پئیں گے اور جس کو وہ (خاص بندے جہاں چاہیں گے) بہا کرلے جائیں گے (اور یہ بہشتیوں کی ایک کرامت ہوگی کہ نہریں جنت ان کے تابع ہونگی جیسا کہ درمنثور میں ابن شوذب سے مروی ہے کہ جنتیوں کے ہاتھ میں سونے کی چھڑیاں ہوں گی وہ چھڑیوں سے جس طرف اشارہ کردیں گے نہریں اُسی طرف چلنے لگیں گی۔ اور یہ کافور دُنیا کا کافور نہیں ہے بلکہ جنت کا کافور ہے جو سپیدی اور خُنکی اور تفریح و تقویتِ دل و دماغ میں اسکا مشارک ہے، شراب میں خاص کیفیات حاصل کرنے کے لئے عادت ہے بعض مناسب چیزوں کے ملانے کی پس وہاں اس جام میں کافور ملایا جاویگا اور وہ جام شراب ایسے چشمے سے بھرا جاویگا جس سے مقرب بندے پیویں گے تو ظاہر ہے کہ وہ اعلیٰ درجہ کا ہوگا سو اس سے ابرار کی بشارت میں تقویت ہوگئی اور اگر ابرار و عباد اللہ کا مصداق ایک ہو تو دو جگہ بیان کرنے سے جُدا جُدا مقصود ہے ایک جگہ اس کی آمیزش بتلانا ہے دوسری جگہ اسکا کثیر و مسخر ہونا کہ اسبابِ عیش کی کثرت اور تابع طبیعت ہونا لذتِ عیش کو بڑھا دیتا ہے۔ آگے ان ابرار کی صفات مذکور ہیں کہ) وہ لوگ واجبات کو پورا کرتے ہیں اور (ادا بھی کرتے ہیں خلوص سے کیونکہ وہ) ایسے دن سے ڈرتے ہیں جس کی سختی عام ہوگی (یعنی کم و بیش سب پر اس کی سختی کا اثر ہوگا مراد قیامت کا دن ہے الا من شاء اللہ تعالیٰ) اور (وہ لوگ ایسے مخلص ہیں کہ عباداتِ مالیہ میں بھی جن میں غالباً اخلاص کم ہوتا ہے کمال درجہ کا اخلاص رکھتے ہیں چنانچہ) وہ لوگ (محض) خدا کی محبت سے غریب اور یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں (قیدی اگر مظلوم ہے کہ ظلماً قید کرلیا گیا تب تو اُس کی اعانت کا مستحسن ہونا ظاہر ہے اور اگر ظالم ہے کہ ظلم کی سزا میں قید ہوا ہے تو شدتِ حاجت کے وقت اسکا اطعام بھی مستحسن ہے اور وہ لوگ کھانا کھلا کر زبان سے یا دل سے یُوں کہتے ہیں کہ) ہم تم کو محض خدا کی رضا مندی کیلئے کھانا کھلاتے ہیں نہ ہم تم سے (اسکا عملی) بدلہ چاہیں اور نہ (اسکا قولی) شکریہ (چاہیں اور ہم خدا کی رضا مندی کے لئے اسواسطے تم کو کھانا کھلاتے ہیں کہ) ہم اپنے رب کی طرف سے ایک سخت اور تلخ دن کا اندیشہ رکھتے ہیں (تو اُمید رکھتے ہیں کہ ان مخلصانہ اعمال کی بدولت اُس دن کی تلخی اور سختی سے محفوظ رہیں اور اس سے معلوم ہوا کہ خوفِ آخرت سے کوئی کام کرنا اخلاص اور ابتغاءِ مرضاۃ اللہ کے منافی نہیں) سو اللہ تعالیٰ انکو (اس اطاعت و اخلاص کی برکت سے) اس دن کی سختی سے محفوظ رکھے گا اور ان کو تازگی اور خوشی عطا فرما دیگا، (یعنی چہروں پر تازگی اور قلوب میں خوشی دیگا) اور ان کی پختگی (یعنی استقامت فی الدین) کے بدلہ میں اُن کو جنت اور ریشمی لباس دیگا اس حالت میں کہ وہ وہاں (جنت میں) مسہریوں پر (آرام و عزت سے) تکیہ لگائے ہونگے (اور) نہ وہاں تپش (اور گرمی) پاویں گے اور نہ جاڑا (بلکہ فرحت بخش معتدل موسم ہوگا) اور یہ حالت ہوگی کہ وہاں کے یعنی جنت کے) درختوں کے سائے اُن (بہشتیوں) پر جُھکے ہونگے (یعنی قریب ہونگے اور سایہ اسبابِ تنعم سے ہے۔ جنت میں آفتاب ماہتاب نہیں ہونگے تو پھر سایہ کا کیا مطلب ہے ہو سکتا ہے کہ

دوسرے اجسام نورانیہ کی روشنی سے سایہ مقصود ہو، اور فائدہ سایہ کا غالباً یہ ہے کہ حالات بدلتے رہیں، ایک حال کتنے بھی آرام و لذت کا ہو آخر کار اُس سے طبیعت اُکتا جاتی ہے) اور وہاں کے میوے اُن کے اختیار میں ہونگے (کہ ہر وقت ہر طرح بلا مشقت لے سکیں گے) اور ان کے پاس (کھانے پینے کی چیزیں پہنچانے کے لئے) چاندی کے برتن لائے جاویں گے اور آبخورے جو شیشے کے ہوں گے (اور) وہ شیشے چاندی کے ہوں گے جن کو بھرنے والوں نے مناسب انداز سے بھرا ہوگا (یعنی اسمیں مشروب ایسے انداز سے بھرا ہوگا کہ نہ اسوقت کی خواہش میں کمی رہے اور نہ اس سے بچے کہ دونوں میں بے لطفی ہوتی ہے اور چاندی کے شیشے کے یہ معنی کہ سفیدی تو چاندی جیسی ہوگی اور شفافی شیشہ جیسی اور دُنیا کی چاندی میں آرپار نظر نہیں آتا اور شیشے میں یہاں ایسی سفیدی نہیں ہوتی پس یہ ایک عجیب چیز ہوگی) اور وہاں اُن کو (علاوہ جام شراب مذکور بالا کے جس میں کافور کی آمیزش تھی اور بھی) ایسا جام شراب پلایا جاویگا جس میں سونٹھ کی آمیزش ہوگی (کہ انتعاش حرارت غریزی اور منہ کا مزہ بدلنے کے لئے شراب میں اس کو بھی ملاتے تھے) یعنی ایسے چشمے سے جو وہاں ہوگا (اُن کو پلایا جاوے گا) جس کا نام (وہاں) سلسبیل (مشہور) ہوگا (مجموعہ مقام بالا اور مقام ہذا سے معلوم ہوتا ہے کہ چشمہ مذکورہ بالا کی شراب میں آمیزش کافور کی ہوگی اور اس چشمہ مذکورہ مابعد کی شراب میں آمیزش زنجبیل کی ہوگی واللہ اعلم باسرارہ) اور انکے پاس (یہ چیزیں لیکر) ایسے لڑکے آمد و رفت کریں گے جو ہمیشہ لڑکے ہی رہیں گے (اور وہ اسقدر حسین ہیں کہ) اے مخاطب اگر تو ان کو (چلتے پھرتے) دیکھے تو یوں سمجھے کہ موتی ہیں جو بکھر گئے ہیں (موتی سے تو تشبیہ صفائی اور اشراق میں اور بکھرے ہوئے کا وصف اُن کے چلنے پھرنے کے لحاظ سے جیسے بکھرے موتی منتشر ہوکر کوئی ادھر جا رہا ہے کوئی اُدھر جا رہا ہے اور یہ اعلیٰ درجہ کی تشبیہ ہے) اور (اُن مذکورہ اسبابِ تنعم میں انحصار نہیں بلکہ وہاں اور بھی ہر سامان اس افراط اور رفعت کیساتھ ہوگا کہ) اے مخاطب اگر تو اس جگہ کو دیکھے تو تجھ کو بڑی نعمت اور بڑی سلطنت دکھلائی دے (اور) اُن جنتیوں پر باریک ریشم کے سبز کپڑے ہونگے اور دبیز ریشم کے کپڑے ہونگے (کیونکہ ہر لباس میں جُدا لطف ہے) اور ان کو چاندی کے کنگن پہنائے جاویں گے (اس سورت میں تین جگہ چاندی کے سامان کا ذکر آیا ہے اور دوسری آیات میں سونے کا مگر دونوں میں تعارض نہیں کیونکہ دونوں طرح کا سامان ہوگا اور حکمت اسکی وہی تفنن اور تغیر طبائع و تنعمات کا ہے اور یہ شبہ کہ مردوں کو زیور معیوب ہے اسلئے مندفع ہے کہ ہر مقام کا مقتضا جُدا ہے یہاں عیب ہونا وہاں عیب ہونے کو مستلزم نہیں) اور اُن کا رب (جو اُن کو شراب پینے کو دیگا جس کا اوپر ذکر آیا ہے تو وہ مثل شرابِ دُنیا کے ناپاک اور مزیلِ عقل و موجبِ خمار نہ ہوگی بلکہ اللہ تعالیٰ) ان کو پاکیزہ شراب پینے کو دیگا (جس میں نہ نجاست ہوگی اور نہ کدورت وہذا کقولہ تعالیٰ لَا يُصَدَّعُونَ عَنْهَا وَلَا يُنْزِفُونَ اور تین جگہ جو سورت میں ذکر شراب کا آیا ہے ہر جگہ غرض جُدا ہے جیسا تقریر ترجمہ سے واضح ہے پھر اوّل میں يَشْرَبُونَ ہے دوسری جگہ يُسْقَوْنَ جو زیادتِ اکرام و اعزاز پر دلالت کرتا ہے

تیسری جگہ سَقٰھُمْ رَبُّھُمْ میں نہایت ہی تشریف وتکریم ہے پس تکرار کا شائبہ نہ رہا۔ اور ان سب نعمتوں کو دے کر اہلِ جنت سے مسرت روحانی بڑھانے کے لئے کہا جاوے گا کہ) یہ تمہارا صلہ ہے اور تمہاری کوشش (جو دُنیا میں کیا کرتے تھے) مقبول ہوئی (آگے فریقین کی جزاء کا ذکر کرنے کے بعد بطور تفریع معنوی کے آپ کو تسلی دینے کا بیان ہے۔ یعنی ان مخالفین کی سزا آپ نے سُن لی، پس آپ اُن کی مخالفت سے غم نہ کیجئے اور اپنی عبادت اور دعوت واصلاح کے کام میں لگے رہئے کہ علاوہ طاعت ہونے کے اسمیں قلب کی بھی تو تقویت ہے اور بیان اس طاعت کا یہ ہے کہ) ہم نے آپ پر قرآن تھوڑا تھوڑا کرکے اُتارا ہے (تاکہ تھوڑا تھوڑا لوگوں کو پہنچاتے رہیں اور انکو اس سے فائدہ اُٹھانے میں آسانی ہو جیسا کہ سُورۂ اسراء کے آخر میں ہے وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰہُ الخ) سو آپ اپنے پروردگار کے حکم پر (کہ آمیں تبلیغ بھی داخل ہے) مستقل رہئے اور اُن میں سے کسی فاسق یا کافر کے کہنے میں نہ آئیے (یعنی یہ جو تبلیغ سے منع کرتے ہیں کما فی الدر المنثور من سورۃ الکافرین، انکی موافقت نہ کیجئے مقصود اس سے اظہار اہتمام شان ہے ورنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اُن کی موافقت کرنے کا کوئی احتمال ہی نہیں تھا یہ تو عبادت متعدیہ کا امر ہوا) اور (آگے عبادت لازمہ کا امر ہے یعنی) اپنے پروردگار کا صبح وشام نام لیا کیجئے اور کسی قدر رات کے حصے میں بھی اس کو سجدہ کیا کیجئے (یعنی نماز فرض پڑھا کیجئے) اور رات کے بڑے حصے میں اُس کی تسبیح (وتقدیس) کیا کیجئے (مراد اس سے تہجد ہے علاوہ فرائض کے اور آگے تقویت تسلی کے لئے ایک اور مضمون ہے جس میں کفار کی مذمت بھی ہے یعنی ان لوگوں کی مخالفت کی اصل وجہ آپ کے ساتھ یہ ہے کہ) یہ لوگ دُنیا سے محبت رکھتے ہیں اور اپنے آگے (آنیوالے) ایک بھاری دن کو چھوڑ بیٹھے ہیں (پس حُبِّ دُنیا نے اندھا کر رکھا ہے اسلئے حق کہنے سے بغض رکھتے ہیں اور یوم ثقیل کا ذکر سُنکر چونکہ احتمال اُن کے انکار کا تھا اسلئے آگے اُس یوم ثقیل کے استبعاد کو دفع فرماتے ہیں یعنی) ہم ہی نے اُن کو پیدا کیا اور ہم ہی نے اُن کے جوڑ بند مضبوط کئے اور (نیز) جب ہم چاہیں اُن ہی جیسے لوگ ان کی جگہ بدل دیں (اور امر اول تو مشاہد ہے اور دوسرا امر ادنیٰ تنبیہ سے معلوم ہو سکتا ہے پس دونوں امروں سے قدرتِ الٰہیہ ظاہر ہے پھر مُردوں کو دوبارہ زندہ کرنے ہی میں کون بات زیادہ دشوار ہے کہ اس پر قدرت نہ ہو، آگے اُن تمام مضامین سابقہ پر بطور تفریع کے فرماتے ہیں کہ) یہ (سب جو مذکور ہوا کافی) نصیحت ہے سو جو شخص چاہے اپنے رب کی طرف راستہ اختیار کرلے (وقد مر فی المزمل) اور (قرآن کے تذکرہ ہونے میں اس سے شبہ نہ کیا جاوے کہ بعض کو اس سے ہدایت نہیں ہوتی، بات یہ ہے کہ قرآن فی نفسہٖ تذکرہ اور ہدایت کافی ہے لیکن) بدون خدا کے چاہے تم لوگ کوئی بات چاہ نہیں سکتے (اور بعض لوگوں کے لئے خدا کے نہ چاہنے میں بعض حکمتیں ہوتی ہیں کیونکہ) خداتعالیٰ بڑا علم والا اور حکمت والا ہے وہ جس کو چاہے اپنی رحمت میں داخل کرلیتا ہے اور (جسکو چاہے کفر اور ظلم میں مبتلا رکھتا ہے پھر) ظالموں کے لئے اُس نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

معارف و مسائل

سُورۂ دہر کا نام سُورۂ انسان اور سورۃ الابرار بھی ہے (روح) اسمیں تخلیق انسانی کی ابتدا وانتہا اور اعمال پر جزاء وسزا قیامت اور جنت دوزخ کے خاص حالات نہایت بلیغ اور مؤثر انداز میں بیان ہوئے ہیں۔

هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُوْرًا، حرف هل دراصل استفہام کے لئے آتا ہے اور بعض اوقات کسی بدیہی اور کھلی ہوئی چیز کو بصورت استفہام اس لئے تعبیر کیا جاسکتا ہے کہ اسکا واضح ہونا اور مؤکد ہو جائے کہ جس سے پُوچھو گے یہی جواب دیگا، دوسرا احتمال ہی نہیں جیسے کوئی شخص نصف النہار کے وقت کسی سے کہے کہ کیا یہ دن نہیں ہے اس کی صورت تو استفہام کی ہے مگر درحقیقت اُسکے انتہائی واضح ہونیکا بیان ہے۔ اسی لئے ایسے مواقع میں بعض حضرات نے فرمایا کہ اس جگہ حرف هل بمعنے قد ہے جو تحقیق واقع کے لئے بولا جاتا ہے۔ بہر دو صورت مطلب آیت کا یہ ہے کہ انسان پر ایک زمانہ دراز ایسا گزرا ہے کہ دُنیا میں کہیں اسکا نام ونشان یہانتک کہ ذکر وتذکرہ تک نہ تھا۔ لفظ حِیْنٌ تنوین کے ساتھ ذکر کرنے سے اسوقت اور زمانے کی درازی کیطرف اشارہ ہے اور اس آیت میں یہ زمانہ دراز انسان پر گزرنا بیان فرمایا ہے جس میں اسکا فی الجملہ کسی نہ کسی طرح کا وجود ہونا لازمی ہے عدم محض کے زمانے کو تو انسان پر گزرنا نہیں کہا جاسکتا اس لئے اکثر حضرات مفسرین نے فرمایا کہ اس زمانہ دراز سے جو انسان پر گزرا وہ زمانہ مراد ہے جو قرار حمل کے بعد سے پیدائش تک کا وقت ہے جو عادۃً نو مہینے ہوتے ہیں کہ اسمیں انسان کی تخلیق پر جتنے دَور گزرتے ہیں نطفہ سے لیکر جسم اور اعضاء اور پھر اُس میں روح حیات آنے تک وہ سب شامل ہیں۔ اس پورے زمانے میں اگرچہ اسکا وجود ایک طرح قائم ہو چکا ہے مگر نہ کوئی جانتا ہے کہ لڑکا ہے یا لڑکی نہ کوئی اسکا نام ہے نہ کسی کو اسکی شکل وصورت معلوم ہے اس لئے اسکا کہیں ذکر وتذکرہ تک نہیں ہے۔ اور اگر اس کو وسیع تر معنے دیئے جائیں تو تخلیق انسانی کی ابتدا جس طرح نطفہ سے ہوتی ہے وہ نطفہ بھی جس غذا سے پیدا ہوا وہ غذا اور غذا سے پہلے اُس غذا کا مادہ کسی نہ کسی صورت سے دُنیا میں تھا اگر اُس زمانے کو بھی شامل کریں تو یہ زمانہ دراز ہزاروں سال کا ہو سکتا ہے۔ بہرحال حق تعالیٰ نے اس آیت میں انسان کو ایک ایسے امر کی طرف توجہ دلائی کہ اُسمیں ذرا بھی شعور ہو اور کچھ بھی غور کرے تو اُس کو اپنی حقیقت کے انکشاف کے ساتھ اپنے پیدا کرنے والے اور بنانے والے کے وجود اور علم وقدرت پر مکمل ایمان ویقین کے سوا کوئی چارہ نہیں رہتا۔ اگر ایک ستر برس کا انسان اسکا مراقبہ کرے اور اس پر غور کرے کہ اب سے اکہتر سال پہلے اسکا کہیں نام ونشان نہیں تھا اور نہ اسکا کسی عنوان سے کوئی ذکر کرسکتا تھا۔ ماں باپ اور دادا دادی کے دل میں بھی اس کے مخصوص وجود کا کوئی خطرہ تک نہ تھا گو مطلق بچہ کا تصور ہو۔ اسوقت کیا چیز اُس کی ایجاد وتخلیق کی داعی ہوئی اور کس محیر العقول قدرت نے دُنیا بھر میں

پھیلے ہوئے ذرات کو اس کے وجود میں سمو کر اس کو ایک ہوشیار دانا، سمیع و بصیر انسان بنا دیا تو وہ بے ساختہ یہ کہنے پر مجبور ہوگا کہ ؎ مانبودیم و تقاضا ما نبود ٭ لطف تو ناگفتہ ما می شنود

اس کے بعد تخلیق انسانی کی ابتداء کا بیان اس طرح فرمایا اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ یعنی ہم نے پیدا کیا انسان کو ایک مخلوط نطفہ سے۔ اَمْشَاج، مشج یا مشیج کی جمع ہے جس کے معنے مخلوط کے آتے ہیں اور یہاں ظاہر یہ ہے کہ مرد و زن کا مخلوط نطفہ مراد ہے جیسا کہ اکثر مفسرین نے فرمایا ہے اور روح المعانی میں بعض مفسرین سے نقل کیا ہے کہ امشاج سے مراد اخلاط اربعہ یعنی خون، بلغم، سوداء، صفراء ہیں جن سے نطفہ مرکب ہوتا ہے۔

ہر انسان کی تخلیق میں دُنیا بھر کے اجزاء اور ذرات کی شمولیت

اور اگر غور کیا جائے تو یہ اخلاط اربعہ مذکورہ بھی اقسام غذا سے حاصل ہوتے ہیں اور ہر انسان کی غذا میں غور کیا جائے تو اسمیں دُور دراز ملکوں خطّوں کے اجزاء آب و ہوا وغیرہ کے ذریعہ شامل ہوتے ہیں اس طرح ایک انسان کے موجودہ جسم کا تجزیہ اور تحلیل کی جائے تو معلوم ہوگا کہ وہ ایسے اجزاء اور ذرات کا مجموعہ ہے جو دُنیا کے گوشہ گوشہ میں بکھرے ہوئے تھے۔ قدرت کے نظام عجیب نے حیرت انگیز طریقہ پر اُن کو اس کے وجود میں سمویا ہے۔ اگر امشاج کا مطلب یہ لیا جائے تو اس جگہ لفظ امشاج کے ذکر سے منکرین قیامت کے سب سے بڑے شبہ کا ازالہ بھی ہوجائیگا کیونکہ ان خدا ناشناس لوگوں کے نزدیک قیامت قائم ہونے اور مُردوں کے دوبارہ زندہ ہونے میں سب سے بڑا اشکال یہی ہے کہ انسان مر کر مٹی اور پھر ریزہ ریزہ ہو کر دُنیا میں بکھر جاتا ہے ان کو دوبارہ جمع کرنا پھر انمیں رُوح ڈالنا اُن کے نزدیک گویا ناممکن ہے۔

امشاج بمعنے اخلاط کی تفسیر میں اُن کے اس شبہ کا ایک واضح جواب ہے کہ ابتدائی تخلیق انسانی میں بھی تو دُنیا بھر کے اجزاء و ذرات شامل تھے جس کو یہ ابتدائی تخلیق مشکل نہ ہوئی اُس کے لئے اسکا دوبارہ پیدا کرنا کیوں مشکل ہوگیا اور اس تفسیر پر لفظ امشاج کا اس جگہ اضافہ بھی ایک مستقل فائدہ کیلئے ہوسکتا ہے واللہ اعلم۔

نَبْتَلِيْهِ ابتلاء سے مشتق ہے جس کے معنی امتحان اور آزمائش کے ہیں یہ تخلیق انسانی کی غرض و حکمت کا بیان ہے کہ انسان کو اس شان کیساتھ پیدا کرنیکا مقصد اُس کی آزمائش ہے جسکا بیان اگلی آیتوں میں آیا ہے کہ ہم نے انبیاءؑ اور آسمانی کتابوں کے ذریعہ اُس کو راستہ دکھلا دیا کہ یہ راستہ جنت کی طرف اور دوسرا دوزخ کی طرف جاتا ہے اور اُسے اختیار دیدیا کہ ان میں سے جس کو چاہے اختیار کرے چنانچہ انمیں دو گروہ ہوگئے

اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا یعنی ایک گروہ اُن لوگوں کا ہوا جنھوں نے اپنے پیدا کرنے والے اور نعمت دینے والے کو پہچان کر اسکا شکر ادا کیا اور اُس پر ایمان لایا دوسرا گروہ وہ ہوا جس نے اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کی اور کافر رہا۔ اس کے بعد ان دونوں گروہوں کی جزا اور انجام کا ذکر فرمایا کہ کافروں کیلئے زنجیریں اور طوق اور جہنم ہے اور ابرار یعنی ایمان و طاعت کے پابند لوگوں کے لئے بڑی بڑی نعمتیں ہیں سب سے

پہلے پینے کی چیزوں کا ذکر فرمایا کہ اُن کو ایسا جام شراب دیا جائیگا جس میں کافور کی آمیزش ہوگی (يَشْرَبُوْنَ مِنْ كَاْسٍ كَانَ مِزَاجُهَا كَافُوْرًا) بعض مفسرین نے فرمایا کہ کافور جنت کے ایک چشمہ کا نام ہے اس شراب میں لذت و کیف بڑھانے کے لئے اُس چشمہ کا پانی شامل کیا جائیگا اور کافور کے مشہور معنے لئے جاویں تو یہ ضروری نہیں کہ جنت کا کافور بھی دُنیا کے کافور کی طرح ہو کھانے پینے کے قابل نہ ہو اس کافور کی خصوصیات جُدا ہوں۔

عَيْنًا يَّشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللّٰهِ لفظ عَيْنًا ترکیب نحوی میں کافُورًا کا بدل بھی ہوسکتا ہے اس صورت میں یہ متعین ہوجاتا ہے کہ آیت مذکورہ میں کافور سے مراد چشمہ جنت ہے اور عباد اللہ سے مُراد وہی اللہ کے نیک بندے ہیں جن کا ذکر پہلے ابرار کے عنوان سے کیا گیا ہے اور اگر عینًا کو من کاس سے بدل قرار دیں تو یہ کسی دوسرے چشمہ اور پانی کا بیان ہے اور اس صورت میں عباد اللہ سے مراد اہل جنت کی کوئی دوسری جماعت ہے جو ابرار سے کم درجہ میں ہیں۔

يُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ، یہ بیان اسکا ہے کہ ابرار اور عباد اللہ کو یہ انعامات کس بنا پر ملیں گے۔ معنے یہ ہیں کہ یہ لوگ جس کام کی اللہ کے لئے نذر (منت) مان لیتے ہیں اُس کو پُورا کرتے ہیں۔ نذر کے لفظی معنے یہ ہیں کہ آپ اپنے اوپر کوئی ایسا کام واجب کرلیں جو شریعت سے آپ کے ذمہ واجب نہیں ہے۔ ایسی نذر کو پورا کرنا شرعًا واجب ہوتا ہے جس کی کچھ تفصیل آگے آتی ہے۔ یہاں اہل جنت کی جزائے عظیم اور انعامات کا سبب ایفائے نذر کو قرار دیا ہے۔ اسمیں اشارہ اس کی طرف ہے کہ یہ لوگ جب اپنی طرف واجب کردہ چیزوں کی ادائیگی کا اہتمام کرتے ہیں تو جو فرائض و واجبات انکے اختیار سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کیطرف سے ان پر لازم کیئے گئے ہیں انکا اہتمام بدرجہ اولیٰ کرتے ہونگے۔ اس طرح لفظ ایفائے نذر میں درحقیقت تمام واجبات شرعیہ اور فرائض کی ادائیگی شامل ہوگئی اور انعامات جنت کا سبب مکمل اطاعت اور تمام فرائض و واجبات کو ادا کرنا ہوگا۔ بہرحال اس جملے سے ایفائے نذر کی اہمیت اور وجوب ثابت ہوا۔

مسئلہ۔ نذر (منت) کے منعقد ہونے کے لئے چند شرائط ہیں۔ اوّل یہ کہ جس کام کی نذر مانی جائے وہ جائز و حلال ہو معصیت نہ ہو۔ اگر کسی نے کسی گناہ اور ناجائز کام کی نذر مان لی تو اس پر لازم ہے کہ وہ ناجائز کام نہ کرے اپنی قسم کو توڑ دے اور قسم کا کفارہ ادا کرے، دوسری شرط یہ ہے کہ وہ اللہ کیطرف سے واجب نہ ہو اس لئے اگر کوئی شخص نماز فرض یا وتر واجب کی نذر مان لے تو یہ نذر لغو ہوگی وہ فرض یا واجب پہلے ہی سے اس پر واجب الاداء ہے۔

امام اعظم ابو حنیفہ رہ کے نزدیک یہ بھی شرط ہے کہ جس کام کو بذریعہ نذر اپنے اوپر واجب کیا ہے اُس کی جنس سے کوئی عبادت شریعت میں واجب کی گئی ہو جیسے نماز روزہ صدقہ قربانی وغیرہ اور جسکی جنس سے شرعًا کوئی عبادت مقصود نہیں ہے اس کی نذر ماننے سے نذر لازم نہیں ہوتی جیسے کسی مریض کی عیادت یا جنازے کے پیچھے چلنا وغیرہ جو اگرچہ عبادات ہیں مگر عبادت مقصودہ نہیں، نذر و یمین کے

احکام کی تفصیل کتب فقہ میں دیکھی جائے۔

وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا، یعنی اہل جنت کے یہ انعامات اس سبب سے بھی ہیں کہ وہ دُنیا میں مسکینوں، یتیموں و قیدیوں کو کھانا کھلاتے تھے علیٰ حبّہٖ میں حرف علیٰ بمعنے مع ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ ایسی حالت میں بھی غریبوں کو کھانا کھلاتے جبکہ وہ کھانا خود اپنے لئے بھی ان کو محبوب اور پسند ہے۔ یہی نہیں کہ اپنے سے زائد فالتو کھانا غریبوں کو دیدیں۔ مسکین اور یتیم کو کھانا کھلانے کا عبادت و ثواب ہونا تو ظاہر ہے۔ قیدی سے مراد ظاہر ہے کہ وہ قیدی ہے جس کو اُصول شرعیہ کے مطابق قید میں رکھا گیا ہے خواہ وہ کافر ہو یا مسلمان مجرم۔ مگر بہرحال اسکا کھانا کھلانا حکومتِ اسلامی کی ذمہ داری ہے جو شخص اس کو کھانا کھلاتا ہے وہ گویا حکومت اور بیت المال کی اعانت کرتا ہے اسلئے قیدی چاہے کافر بھی ہو اسکو کھانا کھلانا ثواب ہوگا خصوصاً ابتدائے اسلام میں تو قیدیوں کا کھانا پینا اور انکی حفاظت عام مسلمانوں میں تقسیم کرکے انکے ذمہ کردیجاتی تھی جیسے غزوۂ بدر کے قیدیوں کیساتھ معاملہ کیا گیا۔

قَوَارِيرَا مِن فِضَّةٍ، دُنیا میں چاندی کا برتن کثیف ہوتا ہے آئینہ کی طرح نہیں ہوسکتا اور جو کانچ سے تیار کیا جاتا ہے وہ چاندی نہیں ہوسکتا ان دونوں میں تضاد ہے مگر یہ جنت کی خصوصیت ہے کہ وہاں کی چاندی آئینہ کیطرح شفاف ہوگی حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ جنت میں جتنی چیزیں ملیں گی اُن سب کی نظیر اور شبیہ دُنیا میں بھی ملتی ہیں سوائے ان گلاسوں اور برتنوں کے جن کی ساخت چاندی سے ہے مگر آئینہ کی طرح شفاف ہیں۔

وَيُسْقَوْنَ فِيهَا كَأْسًا كَانَ مِزَاجُهَا زَنجَبِيلًا، زنجبیل کے معروف معنے سونٹھ کے ہیں اور عرب لوگ شراب میں اُس کی آمیزش کو پسند کرتے تھے اس لئے اس کو جنت میں بھی اختیار کیا گیا اور بعض حضرات نے فرمایا کہ جنت کی نعمتوں اور دُنیا کی چیزوں میں نام کے اشتراک کے سوا کوئی چیز مشترک نہیں اس لئے وہاں کی زنجبیل کو دُنیا کی زنجبیل پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔

وَحُلُّوا أَسَاوِرَ مِن فِضَّةٍ، اساور، سوار کی جمع ہے کنگن کو کہا جاتا جو ہاتھوں میں پہننے کا زیور ہے اس آیت میں چاندی کے کنگن کا ذکر ہے اور ایک دوسری آیت میں أَسَاوِرَ مِن ذَهَبٍ آیا ہے یعنی کنگن سونے کے، ان دونوں میں کوئی تضاد نہیں کیونکہ ہوسکتا ہے کہ کسی وقت چاندی کے کسی وقت سونے کے کنگن استعمال کئے جاویں یا بعض کے کنگن سونے کے ہوں بعض کے چاندی کے۔ اگر ایک سوال اس جگہ بہرحال ہے کہ چاندی کے کنگن ہوں یا سونے کے بہرحال یہ زیور ہیں جو عورتوں کے استعمال کے لئے ہوتے ہیں۔ مُردوں کے لئے ایسے زیور پہننا عیب سمجھا جاتا ہے۔ جواب یہ ہے کہ کسی چیز کا عورتوں یا مُردوں کیلئے مخصوص ہونا اور ان کیلئے مستحسن یا عیب ہونا یہ چیز عرف وعادت کے تابع ہوتی ہے بعض مُلکوں یا قوموں میں ایک چیز بڑی عیب اور بُری سمجھی جاتی ہے دوسری قوموں میں وہ بڑا حسن سمجھا جاتا ہے۔ دُنیا میں ملوک کسریٰ ہاتھوں میں

کنگن اور سینے اور تاج میں زیورات استعمال کرتے تھے اور یہ اُن کا خاص امتیاز و اعزاز سمجھا جاتا تھا۔ ملک کسریٰ فتح ہونے کے بعد جو خزائن کسریٰ مسلمانوں کو ہاتھ آئے اُن میں کسریٰ کے کنگن بھی تھے۔ جب دُنیا کے مختلف مُلکوں اور قوموں کے معمولی جغرافیائی اور قومی تفاوت سے یہ معاملہ مختلف ہوسکتا ہے تو جنت کو دُنیا پر قیاس کرنے کے کوئی معنے نہیں ہوسکتا ہے کہ وہاں زیور مُردوں کے لئے بھی مستحسن سمجھا جائے۔

إِنَّ هَٰذَا كَانَ لَكُمْ جَزَاءً وَكَانَ سَعْيُكُم مَّشْكُورًا، یعنی اہلِ جنت کو جنت میں پہنچنے کے بعد حق تعالیٰ کیطرف سے خطاب ہوگا کہ جنت کی یہ محیر العقول نعمتیں سب تمہارے اُن اعمال کی جزاء ہے جو تم نے دُنیا میں کئے تھے اور تمہارے عمل اللہ کے نزدیک مقبول ہوگئے۔ یہ کلمات ان کو بطور مبارکباد کے کہے جائیں گے۔ اہلِ عشق و محبت سے پُوچھئے تو جنت کی ساری نعمتیں ایک طرف اور رب العالمین کا یہ فرمانا ایک طرف سب نعمتوں سے بڑھ کر ہے کہ اسمیں حق تعالیٰ ان کو اپنی رضاء کامل کی سند دے رہے ہیں۔ عام اہلِ جنت کے انعامات کا ذکر کرنے کے بعد خاص ان انعامات کا ذکر کیا گیا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر مبذول ہوئے اُن میں سب سے بڑا انعام تنزیل قرآن ہے اس انعامِ عظیم کا ذکر کرنے کے بعد اول تو آپ کو اس کی ہدایت کی گئی کہ مخالفین و کفار کی طرف سے جو ضد و انکار اور ان کی ایذاؤں کی تکلیف آپ کو پہنچتی ہے آپ اس پر صبر سے کام لیں۔ دوسرے اللہ کی عبادت کو دن رات کا مشغلہ بنائیں اسی سے کفار کی اذیت کا بھی ازالہ ہوگا۔

آخر میں معاند کفار کے کفر پر جمے رہنے کی وجہ بتلائی گئی کہ یہ جاہل دُنیا کی سطحی سرسری اور فانی لذتوں میں ایسے مست ہوگئے کہ انجام کو یعنی آخرت کو بھلا بیٹھے حالانکہ ہم نے دُنیا میں بھی خود اُن کے وجود میں ایسی چیزیں رکھی تھیں کہ انمیں غور کرتے تو اپنے خالق و مالک کو پہچانتے۔ مثلاً نَحْنُ خَلَقْنَاهُمْ وَشَدَدْنَا أَسْرَهُمْ یعنی ہمنے ہی اُن کو پیدا کیا اور انکے وجود کی صنعت میں ایک خاص کمال یہ رکھا کہ اُنکے جوڑ بند مضبوط و مستحکم بنائے۔

انسانی جوڑ بند میں کرشمۂ قدرت اسمیں اشارہ اس بات کیطرف ہے کہ انسان اپنے ایک ایک جوڑ بند پر نظر ڈالے کہ بتقاضائے حکمت و راحت انسانی جوڑ دیکھنے میں نرم و نازک معلوم ہوتے ہیں اور نرم نرم پٹھوں کے ذریعہ ایک دوسرے سے جُڑے ہوئے ہیں جسکا طبعی تقاضا یہ تھا کہ سال دو سال ہی میں یہ جوڑوں کے بند اور اعصاب گھس جاتے اور ٹوٹ جاتے خصوصاً جبکہ دن رات وہ حرکت میں رہتے ہیں موڑے توڑے جاتے ہیں اتنی شبانہ روز حرکت کیساتھ تو لوہے کے اسپرنگ بھی سال دو سال میں گھس کر ٹوٹ جاتے ہیں یہ نرم و نازک پٹھے دیکھو کس طرح اعضاء کے جوڑوں کو باندھے ہوئے ہیں نہ گھستے ہیں نہ ٹوٹتے ہیں۔ انسان اپنے ہاتھ کی انگلیوں کے جوڑوں کو دیکھے اور حساب لگائے کہ عمر بھر میں ان جوڑوں نے کتنی حرکتیں کی ہیں کیسے کیسے زور اور دباؤ ان پر ڈالے گئے ہیں کہ اگر فولاد بھی ہوتا تو گھس گیا ہوتا مگر یہ جوڑ ہیں جو ستر اسی سال چلنے پر بھی اپنی جگہ قائم ہیں۔ تبارک اللہ احسن الخالقین ؁

تمت سورۃ الدھر بحمد اللہ تعالیٰ